20

# وسواس الخنّاس سے بچنے کا طریقہ

(فرمودہ ۴ ر اکتوبر ۱۹۱۸ء)

حضور نے تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد یہ سورۃ پڑھی:۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

(سورۃ الناس)

اور فرمایا:۔

"انسان کے لیے جہاں ترقی اور کامیابی کی راہیں کُھلی ہیں وہاں بہت سے سامان اس کی ہلاکت کے بھی ہیں اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ انسان ترقی کرتے کرتے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا محب اور دوست ہو جاتا ہے۔ وہ خدا کے حضور ایسے مقام پر کھڑا کیا جاتا ہے کہ اس پر وار کرنے والا اس پر وار کرنے کی بجائے خدا پر وار کرنے والا قرار دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے اندر ہوتا ہے۔ باہر ہوتا ہے۔ آگے ہوتا ہے پیچھے ہوتا ہے۔ اوپر ہوتا ہے۔ غرض ہر طرف سے وہ خُدا کی پناہ میں ہوتا ہے۔ اس لیے جب وار کرنے والا اس پر وار کرتا ہے تو اس کا وار اس پر پڑنے کی بجائے خدا کی کسی نہ کسی صفت پر پڑتا ہے پس وہ ایسے مقام پر ہوتا ہے کہ خدا کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے اور بعض لوگ دھوکہ میں پڑ کر اُسے خدا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

مگر باوجود اس کے اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جب انسان گرتا ہے تو انسانوں سے ہی نہیں۔ بلکہ کسی وقت کتوں۔ سؤروں۔ گدھوں۔ ریچھوں اور بندروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور کسی وقت نجاست کے کیڑوں سے بھی پلید تر ہو جاتا ہے۔ ترقی کرتا ہے تو اس مقام پر پہنچتا ہے۔ جس پر فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے اور اگر گرتا ہے تو ایسا گرتا ہے کہ ذلیل سے ذلیل مخلوق سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک صوفی تھے وہ پہاڑ پر رہتے تھے۔

خدا تعالیٰ نے ان کے متعلق ایسا انتظام کیا تھا کہ ان کو دونوں وقت کھانا وہیں پہنچ جایا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کو یہ ابتلاء پیش آیا کہ تین دن متواتر کھانا نہ ملا۔ جب بھوک سے حالت خراب ہونے لگی تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور قریب کے گاؤں میں گئے۔ اور ایک مکان پر پہنچکر کھانے کو مانگا۔ گھر والوں نے ان کو تین روٹیاں دیں۔ وہ روٹیاں لے کر واپس ہوتے تو گھر والوں کے دروازے پر ایک کُتا بیٹھا تھا وہ ان کے ساتھ ہولیا۔ انھوں نے اس کو آدھی روٹی ڈالدی۔ مگر وہ کھاکر پھر ساتھ چلنے لگا۔ آدمی انھوں نے اور ڈالدی۔ وہ اس آدمی کو بھی کھاکر پیچھے چلا آتا رہا۔ اُنھوں نے ایک اُور روٹی ڈالدی اور کہاکہ واقعی بیچارا ایک روٹی سے کیا سیر ہوگا، لیکن جب دو روٹیاں بھی کھاچکا تو پھر بھی ان کے پیچھے سے نہ ہٹا۔ اُنھوں نے غصّہ میں آکر تیسری روٹی بھی ڈالدی۔ اور کہا کہ تو بڑا بے حیا ہے جو پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔ انسان کی عادت ہے کہ جب وہ غصّہ میں آتا ہے تو دیواروں اور درختوں کو بھی مخاطب کرلیا کرتا ہے۔ تو اُنھوں نے غصّہ کی حالت میں کُتے کو بے حیا کہا۔ اس پر کشفی طور پر اس کُتے نے ان سے گفتگو کی اور کہاکہ بے حیا مَیں ہوں کہ تُو۔ خُدا تجھکو ہمیشہ رزق پہنچاتا تھا۔ مگر صرف تین دن نہ پہنچا تو اُٹھ کر لوگوں کے دروازوں پر مانگنے چلا آیا۔ مگر مَیں ہوں کہ ہمیشہ اپنے آقا کے دروازے پر پڑا رہتا ہوں، خواہ ہفتوں فاقہ میں گذر جائیں۔ کُتے کی اس گفتگو سے جو کشفی طور پر ہوئی تھی ان کو اپنی کمزوری کا احساس ہوگیا۔ اس سے توبہ کی اور اپنے اس مقام پر جا بیٹھے اور خدا تعالیٰ نے پھر ان کو اسی طرح کھانا پہنچانا شروع کر دیا۔ تو واقعی کُتے میں وفاداری کی صفت ایسی ہے کہ وہ اپنے آقا کی خاطر جان بھی دیدیتا ہے۔ اور ذرا پرواہ نہیں کرتا، مگر انسان ایسے ہوتے ہیں۔ جو دوست وغیرہ کو مصیبت کے وقت چھوڑ دیتے ہیں۔

تو بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جن میں کُتے جتنی بھی وفا نہیں ہوتی۔ اسی طرح گدھے کو احمق کہا جاتا ہے اور حماقت کے لیے گدھا مشہور ہے، لیکن بعض انسان اپنی حماقت میں گدھے سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ گدھے میں اتنی تمیز ہوتی ہے کہ وہ کبھی شیر پر حملہ نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی حس ایسی تیز ہوتی ہے کہ وہ شیر کی دُور سے ہی بُو سونگھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن انسان جب حماقت پر آتا ہے تو نہ صرف خدا کے پہلوانوں پر حملہ کرتا ہے۔ بلکہ خُدا کو بھی مقابلہ کا چیلنج دیدیتا ہے، گدھا احمق ہے۔ مگر اتنا نہیں کہ خطرہ کی جگہ میں ٹھہرا رہے اور شیر کی بُو پاتے ہی اس کو چھوڑ نہ دے لیکن انسان ایسا احمق ہوتا ہے کہ خُدا کے سپہ سالاروں کے مقابلہ میں چلا جاتا ہے۔

پھر انسان گرتے گرتے بندر سے بھی زیادہ نقال اور خنزیر سے بھی زیادہ بے حیا ہو جاتا ہے

اگر کسی جانور میں ایک ایک نقص ہے تو انسان میں تمام کے تمام نقائص جمع ہو جاتے ہیں بے حیا یہ ہوتا ہے بے وفا یہ ہوتا ہے۔ اندھا تقلید کرنے والا یہ ہوتا ہے۔ احمق یہ ہوتا ہے۔

کبھی بھیڑ کی طرح مقلد ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو نمازیں پڑھتا دیکھتا ہے تو خود بھی نماز پڑھنے لگتا ہے لیکن کچھ نہیں سمجھتا کہ نماز کیوں پڑھتا ہوں اور پھر لمبی نماز پڑھتا ہے کہ لوگ تعریف کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہونگے۔ جو نمازیں تو لمبی لمبی پڑھیں گے مگر ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ یہ ایسے ہی لوگوں کے متعلق آپ نے فرمایا۔ پھر انسان نقلیں اُتارتا ہے تو ایسی بھونڈی کہ دیکھ کر ہنسی آجاتی ہے۔ مثلاً یورپ کے لوگوں کی نقل میں ٹوپی۔ کوٹ پتلون پہنتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کو یہ لباس پہنتے صدیاں گذر گئیں اس لیے ان کو بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر یہ لوگ جو ان کے نقال ہوتے ہیں اور ویسا ہی بننا چاہتے ہیں۔ یہ گو ویسا ہی لباس پہن بھی لیں۔ یورپین وضع کی ٹوپی سر پر رکھیں۔ مگر گوری رنگت کہاں سے لائیں گے۔ پھر۔ یورپین جس طرح چلتے پھرتے ہیں۔ اس کے لیے ان کی تو چال ہی اس قسم کی ہوتی ہے۔ نہ تو انھیں تکلف کرنا پڑتا ہے۔ اور نہ وہ بُرے معلوم ہوتے ہیں مگر ان لوگوں کو ایسی چال چلنے کے لیے تصنع کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ پچھلے سال شملہ میں دیکھنے کا اتفاق ہوا بعض لوگ جسم کو اکڑاتے اور سر کو اُٹھائے چلتے ہوتے نہایت بھونڈے معلوم ہوتے تھے۔

ان لوگوں نے نقل کی نقل تو کی۔ مگر بھونڈی اور فضول نقل کی۔ جو ان کے لیے بجائے فائدہ مند ہونے کے اور ذلیل کن ہے۔ کیونکہ انسان معزز کوٹ۔ پتلون وہیٹ سے نہیں بن جاتا۔ اور نہ ہی یورپ کے لوگ اپنے لباس کی وجہ سے معزز ہیں۔ بلکہ کسی اور وجہ سے ہیں۔ ان لوگوں کو اگر اُن کی نقل کرنی تھی تو ان صفات کی کرتے جن سے وہ دُنیا میں معزز ہیں۔ مثلاً دُنیا ہی کو وہ سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے لیے کوئی بڑی سے بڑی قربانی کرنے سے دریغ نہیں کرتے، لیکن اگر ان لوگوں کو کسی دُور سفر پر جانے کے لیے کہا جائے۔ تو اوّل تو موجودہ زمانہ میں جہاز کے سفر کے خطرے کو سنتے ہیں روک بنائیں گے اور اگر جہاز کا سفر نہ ہو کسی ایسی جگہ کا سفر ہو جہاں ریل نہ جاتی ہو تو ریل کے نہ ہونے کا عذر کیا جائیگا۔ پھر اگر یورپ کے لوگوں کو مذہبی طور پر بھی دیکھا جائے۔ تو ان کی قربانیاں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ افریقہ کے وحشیوں نے سینکڑوں مشنری عورتوں کو بھون کر کھا لیا۔ مگر ایک کے بعد دوسری فوراً چلی جاتی۔ اور عیسائیت کی اشاعت میں لگ جاتی اور اگر ایک کی ہلاکت کی خبر پہنچتی ہے۔ تو کئی درخواستیں آتی ہیں کہ ہم کو وہاں بھیجا جائے۔ چین میں اس وقت تک سات ہزار عیسائی مشنری قتل کیا گیا ہے، لیکن ایک مارا جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا چلا جاتا ہے۔ انکی نقل کرنے والے محض لباس اور چال میں نقل اُتارنے

سے چاہتے ہیں کہ ان کی طرح عزت حاصل ہو جائے مگر اس سے یہ ممکن نہیں۔ عزت ان کی عمدہ صفات حاصل کرنے سے ہو سکتی ہے۔ بنگال اور مدراس کے لوگ تعلیم میں بہت ترقی کر گئے ہیں مگر اپنا لباس وہی رکھتے ہیں۔ بنگالی سر ننگے اور دھوتی باندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب جب مدراس گئے تو انھوں نے بتایا کہ چیف کورٹ کے جج بھی ننگے پیر بازاروں میں پھرتے تھے۔ اور اس سے ان کی عزت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ انھوں نے اہل یورپ کی سیکھنے کی باتیں سیکھی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کوئی کوٹ پتلون نہیں پہنتے تھے۔ مگر خدا نے آپ کو کتنی عزت دی۔ تو معلوم ہوا کہ لباس میں تقلید کرنے سے عزت حاصل نہیں ہوتی۔ پھر بعض لوگ بھیڑ کی طرح تقلید کرتے ہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ یہ کام کیوں کرتے ہو تو کہیں گے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا۔ اگر کوئی عقل کی بات بتاؤ اور کہو کہ ایسا کرو تو کہیں گے ہم نہیں مان سکتے۔ کیونکہ یہ ہمارے باپ دادا کے طریقہ کے خلاف ہے۔ یہ نہیں دیکھیں گے کہ کونسی بات مفید اور عقل کے مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الناس میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ کیونکر انسان انسانیت سے گرتا ہے اور ساتھ ہی گرنے سے محفوظ رہنے کا طریق بتایا ہے۔ فرمایا:۔ قل اعوذ برب الناس۔الخ یعنی تین ذریعے ہیں جن کے ذریعہ انسان اوپر چڑھتا ہے اور تین ہی وہ ذریعے ہیں جن سے نیچے گرتا ہے۔ ان تین ذرائع میں سے ایک ربوبیت ہے۔ دوسرا ملکیت ہے اور تیسرا الوہیت۔ بہت دفعہ ربوبیت کے ذریعہ ابتلاء آتا ہے اور بہت دفعہ ملکیت کے ذریعہ اور بہت دفعہ الوہیت کے ذریعہ اور پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نسبت فاعلی کے لحاظ سے اور دوسری نسبت مفعولی کے لحاظ سے یعنی کبھی انسان دوسروں کا رب بنتا ہے اور کبھی دوسروں کو اپنا رب بناتا ہے پھر کبھی خود ملک بنتا ہے اور کبھی دوسروں کو اپنا ملک بناتا ہے۔ اسی طرح کبھی خود اللہ بنتا ہے اور کبھی دوسروں کو اپنا اللہ بنا لیتا ہے گویا تین سے چھ ذریعے بن جاتے ہیں۔

کبھی یہ رب ہوتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ رب عام ہے۔ خدا کے لیے مثلاً رب الناس آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں پیدا کرنے والا۔ اور پھر ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف لیجانے والا۔ اور بعض دفعہ ربکم کہیں گے۔ اور اس کے معنی ہونگے تمہارا سردار۔ تو لغت والوں نے دونوں طرح لکھا ہے کہ لفظ رب بغیر اضافت یا باضافت خدا کے لیے آتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا کے سوا اوروں کے لیے بھی بول لیتے ہیں۔ بہر حال ایک ربوبیت انسان کی ہوتی ہے۔ مثلاً اس کے غریب رشتہ دار ہیں اور وہ ان کی پرورش کرتا ہے۔ اس پر ابتلاء اس طرح آتا ہے کہ اس کے پاس

اتنا رزق نہیں ہوتا کہ یہ انکی پرورش کر سکے۔ اس لیے یہ بعض ناواجب طریق اختیار کرتا ہے۔ چوری کرتا ہے رشوت لیتا ہے۔ اسی طرح کسی کو اپنا رب سمجھتا ہے۔ اس کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔ یا اور اسی قسم کی باتیں کرتا ہے۔ تو خدا کی ربوبیت کو بھول جاتا ہے اور بندوں کو اپنا رب بنا لیتا ہے۔

دوسرا ذریعہ ملکیت ہے۔ یعنی بعض بادشاہ ہوتے ہیں۔ تو ان کے بادشاہ ہونے کی حیثیت میں ان پر رعیت کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں۔ وہ ان میں خیانت کرتے ہیں۔ یا خود رعیت ہوتے ہیں اور دوسر ملک ہوتا ہے۔ تو رعیت ہونے کی حالت میں بغاوت یا دیگر قسم کے سیاسی جرم کرتے ہیں۔

تیسری شق الوہیت ہے کہ کبھی تو انسان خود الہٰ بن جاتا ہے۔ اور کبھی دوسروں کو الہٰ بنا لیتا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل جب اپنے ایک اُستاد سے رخصت ہونے لگے۔ تو اُنھوں نے آپ کو کہا کہ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم کبھی خدا بننے کی خواہش نہ کرنا۔ حضرت مولوی صاحب نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا خدا بھی کوئی بنتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ زبان سے خدا ہونے کا تو بہت کم لوگ دعویٰ کیا کہتے ہیں۔ مگر عملاً بہت لوگ خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ وہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہیں وہی ہو کر رہے۔ حالانکہ یہ بات تو خدا کے شایان شان ہے۔ جو لوگ قولاً دعویٰ کرتے ہیں ان کا علاج تو عام لوگ بھی کر لیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ علماء نے اسے بہتیرا سمجھایا۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ ایک اَن پڑھ تھا۔ وہ بہت کوشش کرتا تھا کہ مجھے موقع ملے تو میں اس کو سمجھاؤں، مگر خدائی کے مدعی کے چیلے ہر وقت اس کے اِردگرد جمع رہتے تھے اتفاقاً ایک دن جبکہ وہ اکیلا تھا تو اسے موقع ملا وہ اس کے پاس گیا اور جا کر دریافت کیا کہ کیوں جی آپ خدا ہیں اس نے کہا ہاں۔ اس اَن پڑھ نے اسے گردن سے پکڑ لیا اور کہا کہ اچھا ہوا آج تو مجھے مل گیا ہے۔ میں تو مدتوں سے تیری تلاش میں تھا۔ آج تیری خبر لونگا۔ یہ کہہ کر اسے مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ تُو نے ہی میرے فلاں رشتہ دار کو مارا ہے۔ اب تُو میرے قابو آیا ہے۔ میں تجھکو ہرگز نہیں چھوڑونگا جب بہت مار پڑی تو اس نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ میں خدا نہیں ہوں۔

پس ٹھوکر لگنے کے تین ذریعے ہیں۔ ربوبیت۔ ملکیت۔ الوہیت اس لیے اللہ تعالیٰ اس کا علاج بتاتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ کہ اس بات کا یقین رکھو کہ ربّ الناس کے سوا کوئی رب نہیں۔ ملک الناس اصل بادشاہ تو وہ ہے جو خدا ہے۔ الٰہ الناس اور معبود بھی وہی ہے۔ اس لیے کہو کہ میں اس خدا کی پناہ میں آتا ہوں جو ربّ ہے۔ ملکؔ ہے اور الٰہ ہے اس دُعا میں ایک لطیف نکتہ ہے۔ اسلام کی تمام دُعاؤں میں ایسے الفاظ اور ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے

جس سے خدا کی غیرت کو جوش آئے۔ کہا جا سکتا ہے کہ بجائے خدا کی تین صفات کے ذکر کرنے کے کیوں نہ صرف الٰہ الناس کہہ دیا کہ لفظ الٰہ میں تینوں مراتب اور صفات بھی آجاتے مگر اگر صرف لفظ اللہ کو رکھا جاتا تو وہ بات پیدا نہ ہوتی جو اس تفصیل سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا رب ہے تو رب الناس کہہ کر گویا خدا کی غیرت کو جوش دلایا ہے کہ لوگوں کا رب تو یہ ہے پھر اور کوئی کس طرح رب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح باقی دونوں صفات میں بھی خدا کی غیرت کو جوش میں لایا گیا ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ ہر شخص اس کو مشاہدہ کر سکتا ہے اور خدا تعالےٰ نے خود شرک کے متعلق کس قدر غیرت کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے جہاں ٹھوکر لگنے کا خطرہ تھا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ایسی دعا تلقین کی۔ کہ جس سے خدا کی غیرت کو جوش آئے۔ اور وہ اپنے بندوں کو تمام خطرات سے محفوظ رکھے، تو انسان کو ٹھوکروں سے بچنے کے لیے کس چیز سے پناہ مانگنا چاہیئے۔ فرمایا مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۔ خناس کے وسوسوں سے۔

وسوسہ ڈالنے والے ہمیشہ ایسے طریق اختیار کرتے ہیں۔ جو بہت پوشیدہ ہوتے ہیں اور نہایت چالاکی سے کوئی بدعقیدگی۔ اور بدعملی سکھا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اس دعا کو پڑھے گا۔ اور خدا کی ربوبیت۔ ملکیت۔ الوہیت کو ذہن میں رکھے گا۔ وہ ضرور ایسے وساوس سے بچ جائیگا۔ وسوسہ انداز چپکے سے ایک شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کمزور آدمی کو ایسی جگہ سے پکڑتے ہیں کہ جہاں ان کا وار اثر کر سکے۔

لدھیانہ میں ایک شخص میر عباس علی تھے۔ وہ حضرت صاحب سے بہت خلوص رکھتے تھے حتیٰ کہ ان کی موجودہ حالت کے متعلق حضرت صاحب کو الہام بھی ہوا تھا۔

لدھیانہ میں جب حضرت مسیح موعودؑ اور محمد حسین کا مباحثہ ہوا تو میر عباس علی حضرت صاحب کا کوئی پیغام لے کر گئے۔ انکے مولوی محمد حسین وغیرہ مولویوں نے بڑے احترام اور عزت سے ہاتھ چومے اور کہا آپ آلِ رسولؐ ہیں آپ کی تو ہم بھی بیعت کر لیں، لیکن یہ مغل کہاں سے آگیا۔ اگر کوئی مامور آتا تو سادات میں سے آنا چاہیئے تھا۔ پھر کچھ تصوف و صوفیاء کا ذکر شروع کر دیا۔ میر صاحب کو صوفیاء سے بہت اعتقاد تھا۔ مولویوں نے کچھ اِدھر اُدھر کے قصّے بیان کر کے کہا کہ صوفیاء تو اس قسم کے عجوبے دکھایا کرتے تھے۔ اگر مرزا صاحب میں بھی کچھ ہے تو کوئی عجوبہ دکھلائیں۔ ہم آج ہی ان کو مان لیں گے مثلاً وہ کوئی سانپ پکڑ کر دکھائیں۔ یا اور کوئی اسی قسم کی بات کریں۔ میر عباس علی کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ اور جب حضرت صاحب کے پاس آئے تو کہا کہ حضور اگر کوئی کرامت دکھائیں تو سب مولوی مان لینگے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ جب کرامت کا لفظ اُن کی زبان سے نکلا تو اُسی وقت مجھے یقین ہو گیا

کہ بس میر صاحب کو مولویوں نے پھندے میں پھنسا لیا۔ اس پر حضرت صاحب نے ان کو بہت سمجھایا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تو وسوسہ انداز لوگ ایک سوراخ تلاش کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈال دیتے ہیں جس سے اسے ٹھوکر لگ جاتی ہے۔

قادیان میں بھی ایسے لوگ ہیں جن کا یہ کام ہے کہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالیں۔ بیعت بھی کی ہوئی ہے۔ اپنے آپ کو مخلص بھی قرار دیتے ہیں۔ مگر وسوسہ اندازی سے باز نہیں آتے۔ ایسے لوگوں سے محفوظ رہنے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان سچے دل سے اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے۔ جو پڑھیگا یقیناً اللہ تعالیٰ اسے وسوسہ سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے اخلاص کو ضائع نہیں کرتا۔ اور شیطان غالب نہیں آسکتا۔ شیطان کو اقتدار نہیں دیا گیا۔ پس جب تم سچے دل سے اس سورۃ کو پڑھوگے اور اس کے مفہوم و مطلب کو ذہن میں رکھوگے تو شیطان بھاگ جائیگا، لیکن جو لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔ وہ وساوس میں پڑ جاتیں گے اور ان پر شیطان کا قبضہ ممکن ہے۔ پس ہم سب رَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے وساوس سے بچائے۔"

(الفضل ۵ر نومبر ۱۹۱۸ء)